وزیراعظم اور صحافیوں کی بارات

تحریر: سہیل احمد لون

کچھ عرصہ قبل کاسمیٹکس پروڈکٹس بنانے والی ایک معروف جاپانی کمپنی کو ایک گاہک کی طرف سے شکایت موصول ہوئی کہ اس نے مذکورہ کمپنی کی صابن دانی بمع صابن خریدی۔ جب گھر جا کر پیکنگ کھولی تو صابن دانی میں صابن موجود نہ تھا۔ اسی نوعیت کی چند شکایات اور بھی موصول ہوئیں کہ صابن دانیوں میں صابن نہیں ہوتا یعنی خالی صابن دانی ہی پیک ہوتی ہے۔ کمپنی کے مالکان نے اس پروڈکٹ کی ساری ڈلیوری روک دی۔ سارے سٹاک کو چیک کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ہر ڈبے میں چند صابن دانیاں بغیر صابن کے پیک تھیں۔ کمپنی نے شکایات کنندگان کو ہرجانہ ادا کیا اور باقاعدہ معافی بھی مانگی۔ کمپنی کی ساکھ کی خاطر چند ماہرین کی ٹیم نے اس خرابی پر قابو پانے کے لیے کئی تجاویز دیں۔ کسی نے ایکسرے نما اسکینر لگا فائنل پروڈکٹ کو مانیٹر کرنے کا مشورہ دیا، کوئی ویٹ سینسر لگانے کا مشورہ دے رہا تھا تاکہ کم وزن ہونے کی صورت میں ریڈ لائٹ آن ہو جائے۔ اسی میٹنگ میں ایک پاکستانی نوجوان بھی تھا اس نے کہا کہ ہم بہت کم خرچے کے ساتھ اس مسئلے کو حل کر سکتے ہیں جس میں ہمیں اپنے نظام میں کوئی ترمیم بھی نہیں کرنی پڑے گی اور نہ ہی اضافی اسٹاف کی ضرورت پڑے گی۔ اس نے کہا کہ اگر ہم ترسیل پٹی (Conveyer Belt) کے اطراف میں مخصوص رفتار سے چلنے والے پنکھے (Blowers) نصب کر دیئے جائیں تو اس سے صابن دانی کی وہ پیکنگ جس میں صابن موجود نہ ہو وزن کم ہونے کی وجہ سے ترسیل پٹی سے نیچے گر جائے گی جبکہ صابن والی پیکنگ وزنی ہونے کو وجہ سے آگے نکل جائیں گی۔ جب یہ تجربہ کیا گیا تو واقعی صابن کے بغیر صابن دانیاں نیچے گرنا شروع ہوگئیں۔ تجربہ کامیاب ہونے پر پاکستانی نوجوان کو خصوصی انعام کے علاوہ عہدے میں ترقی بھی دی گئی۔ یوں کمپنی نے ایک بڑی مصیبت کا بڑا آسان ساحل تلاش کر کے اپنی کمپنی کی ساکھ کو خراب ہونے سے بچالیا۔

دراصل زندگی میں پیش آنے والے بیشتر معاملات کا حل بہت سادہ اور آسان ہی ہوتا ہے مگر المیہ یہ ہے کہ اسے تجویز کرنے والا ہی نہیں ملتا اور اگر مل بھی جائے تو اس کی بات کوئی سنتا نہیں، بات سن بھی لی جائے تو اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ وطن عزیز میں درپیش لاتعداد مسائل بھی ایسی تجاویز اور قابل عمل آسان حل کو ترس رہے ہیں مگر کبھی ان کو سنجیدگی سے حل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ تیزی سے نیچے کی طرف گرتی ہوئی معیشت ہمارا قومی مسئلہ ہے جس کو حل کرنے کے لیے سنجیدہ کوشش کی اشد ضرورت ہے۔ جب کوئی بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس میں طاقت بھی کم ہو جاتی ہے لہذا وہ اپنی استطاعت کے مطابق اسے خرچ کرتا ہے۔ اسی طرح کوئی بھی باشعور شخص اپنی آمدن کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ بجلی کا فقدان ہو تو لوڈ شیڈنگ کر کے اس کے استعمال کی شرح کو کم کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی اگر قومی خزانے میں کمی آجائے تو اس کے لیے سب سے پہلے غیر ضروری اخراجات کم کرنے چاہئیں، معیشت بہتر کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ بچے کھچے قومی خزانے کو ناپ تول کر خرچ کیا جائے مگر ہمارے ہاں سرکاری اخراجات کو کم کرنا ''توہین'' کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے حکمران طبقے کو عوام کے ہجوم کی بجائے اپنے خوش آمدیوں کے ہجوم میں رہنا زیادہ اچھا لگتا ہے یہ عادت اتنی پختہ ہو چکی ہے کہ وہ

عدالت بھی جائیں تو چاپلوسی کرنے والے ٹولے کے ساتھ جاتے ہیں۔

حسب عادت ہمارے سزا یافتہ وزیراعظم برطانیہ کے دورے پر آئے تو اپنے ساتھ تقریباً 90 باراتی بھی لائے۔ ولائتی سوٹ پہننے والے سرکاری دولہے کے باراتیوں کے ٹولے میں صحافیوں کی ایک کثیر تعداد بھی شامل تھی۔ ''سرکاری شاہ'' کی بارات ملکہ کے دیس میں آئی'' تو ولائتی میڈیا نے کوئی خاص لفٹ نہ کروائی۔ مقامی دیسی میڈیا کو بھی سرکاری دولہے سے کچھ دور ہی رکھا گیا۔ برطانیہ میں آباد پاکستانی کیمونٹی کی طرف سے ان کے خلاف احتجاج بھی دیکھنے کو ملا جبکہ ان کی حمایت میں بھی چند لوگ خوش آمدید کہتے نظر آئے۔ پاکستان کے نجی ٹی وی چینلز نے وزیراعظم کی شاہ خرچیوں سے بھرپور سرکاری دورے کا بڑا چرچا کیا گیا۔ بتایا گیا کہ لندن کے مہنگے ترین ہوٹل میں ساری بارات ٹھہری جہاں کمرے کا یومیہ کرایہ 350 برطانوی پونڈ سے 450 بوطانوی پونڈ تک ہے۔ اس ہوٹل کے 80 کمرے بک کیے گئے۔ قومی میڈیا کی منافقانہ پالیسی سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایک طرف تو وہ اس بات کی تشہیر کر رہے ہیں یوسف رضا گیلانی اپنے ساتھ 90 افراد کو سرکاری دورے پر لا کر قومی خزانے کا بے دریغ خرچ کر رہا ہے دوسری طرف میڈیا کے لوگ بھی سرکاری بارات کا حصہ ہیں۔ ہمارے کچھ میڈیا نمائندگان کو بھی سرکاری شاہ خرچے میں عیاشی کی لت پڑ چکی ہے اب تو وہ حج کا مقدس فریضہ بھی سرکاری خرچے پر کرنے پر شرمندہ نہیں ہوتے۔ ''لفافہ مارکہ قلم فروشوں'' نے قلم کے مزدوروں کے کردار پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ شاید اسی لیے ان کی تحریروں اور باتوں میں اثر نہیں رہا۔ ابھی کچھ روز قبل ہی پاکستان کے ایک نجی چینل میں کام کرنے والے معروف صحافی و تجزیہ نگار نما اینکر برطانیہ تشریف لائے۔ وہ بھی اپنے دوست احباب کے ہمراہ اتنے ہی مہنگے ہوٹل میں ٹھہرے جہاں وزیراعظم یوسف رضا گیلانی جیو اور جینے دو کے ایجنڈے پر کام کر رہے تھے۔ اگر ایک عام صحافی اتنے مہنگے ہوٹل میں قیام کر سکتا ہے تو وزیراعظم پر کوئی کیسے اعتراض کر سکتا ہے؟ وہ بھی ایسی صورت میں جب ان کے ساتھ میڈیا کے لوگ بھی عیاشی میں برابر کے شریک ہوں۔ زندگی کے تمام شعبہ جات کو کامیابی سے چلانے کے لیے ضروری ہے کہ درپیش مسائل کو حل کرنے کے لیے آسان حل تلاش کیے جائیں۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے خودساختہ مسائل کا حل بہت پیچیدہ دریافت کیا جاتا ہے جس میں وقت اور پیسہ برباد کر کے نتیجہ ناکامی ہی ہوتی ہے، رینٹل پاور اس کی حالیہ مثال ہے۔ ایسے فیصلوں سے ہمارے حکمران طبقے کی نااہلی اور اس کی معاونت کرنے والوں کی بددیانتی کا پتہ چلتا ہے۔ اگر خزانہ خالی ہے تو شاہی خرچے کم کر دیں، بجلی کا فقدان ہے تو اس میں صرف عوام ہی کیوں لوڈشیڈنگ کے کرب سے گزرتی ہے؟ اس میں بھی شاید وزیراعظم، صدر یا اس کے حواریوں کو استثناء حاصل کیوں ہے؟ عوامی نمائندے ہونے کا دعوی کرنے والے یہ لوگ کیا عوام الناس سے نہیں ہیں؟ بجلی کی پیداوار کو بڑھانا یا معیشت کو توانا کرنا تو بعد کی بات ہے ہنگامی صورت حال میں اس کا آسان ترین حل یہ ہے کہ ہمیں اپنی بساط کے مطابق خرچ کرنا چاہیے۔ چاہے وہ بجلی ہو یا قومی دولت.....! صرف عوام الناس کو ہی قربانی کا بکرا نہ بنایا جائے بلکہ حکمران طبقہ اپنی عیاشیاں چھوڑ کر سادہ زندگی اپنائیں تو آدھے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ فیصلہ عوام کے ہاتھ میں ہے کیا آئندہ بھی ایسے شاہ خرچوں کے ٹولوں کو اپنے اوپر مسلط کر کے اپنے بنیادی حقوق کے لیے ترسنا ہوگا؟

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن-سرے

11-05-2012

sohailloun@gmail.com